Research Journal
Tahqeeqat

eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334

ریسرچ جرنل
تحقیقات

رشیدہ عیاں کا تصورِ عورت (نظموں کے حوالے سے)

Rashida Ayan's Concept of Woman (Regarding Poems)

Muhammad Saleem Akhtar
School Education Department, Lodhran

محمد سلیم اختر
سکول ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ، لودھراں

Dr. Shahid Hussain
Lecturer, Department of Urdu, The Islamia University, Bahawalpur

ڈاکٹر شاہد حسین
لیکچرر، شعبہ اُردو، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور

Abstract

This research analyzes the complex representation of femininity in the poetry of Rashida Ayan, a renowned Urdu poet who delves deeply into gender dynamics and social conventions. By examining her important poems like "Karb-e-Tanhai," "Laxman Rekha," "Harf-e-Ulfat," "Ghar," "Mujasma Azadi," and "Qalam Bolta Hai," the study explores the intricate levels of a woman's sense of self, her challenges in the face of oppression, and her journey towards self-discovery and independence. Rashida Ayan skillfully utilizes different metaphors and symbols, including the house, Statue of Liberty, coal mine, and the fragile "tinka," to illustrate the complex aspects of a woman's life. Her poetry skillfully conveys the conflict between conventional societal norms and the growing demand for individual liberation and equality. Ayan's work critically examines how patriarchal systems limit women to certain roles, but also highlights their strength and resilience. The recurring themes of sacrifice, emotional turmoil, and the relentless pursuit of dignity highlight her feminist perspective and support for redefining women's roles in society. Rashida Ayan's poetry reflects and challenges prevailing gender norms by showing the beauty and vulnerability of women along with their ongoing struggle against systemic injustices. This research emphasizes the impact of Ayan's writings on shedding light on the social and cultural challenges women encounter, while also inspiring a shared demand for empowerment and change in Urdu literature. Rashida Ayan expresses a strong story of women's independence, artistic freedom, and their crucial part in forming a fairer society through her emotional and thought-provoking poetry.

Keywords: *Rashida Ayan, Feminism, Women's Identity, Social Critique, Autonomy, Gender Role, Resilience, Patriarchy Critique..*

سیدہ رشیدہ بیگم، ادبی دنیا میں رشیدہ عیاں کے نام سے معروف، 4 مارچ 1932ء (11 رمضان المبارک) کو مراد آباد، یوپی (ہندوستان) میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد کا نام سید صادق حسین تھا۔ رشیدہ عیاں نے پنجاب یونیورسٹی سے ادیب فاضل (آنرز اِن اُردو) کی ڈگری حاصل کی۔ آپ نے 1943ء میں شاعری کا آغاز کیا اور 2 دسمبر 1954ء کو سید شمیم حیدر سے شادی ہوئی، جو ایک صحافی تھے اور 1949ء سے 1974ء تک ڈی اے پی پی کے ساتھ منسلک رہے۔ وہ 1974ء سے 1989ء تک رابطہ عالم اسلامی میں بطور پریس اتاشی خدمات انجام دیتے رہے۔ شمیم حیدر کی وفات 30 نومبر 1994ء کو امریکہ میں ہوئی۔

رشیدہ عیاں نے اپنی ادبی خدمات کے اعتراف میں متعدد اعزازات حاصل کیے، جن میں 1988ء میں میر تقی میر ایوارڈ برائے اردو غزل، 1991ء میں اردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے ایوارڈ، اور 2000ء میں کمیونٹی اچیومنٹ ایوارڈ شامل ہیں۔ ان کی اولاد میں دو بیٹے اور چار بیٹیاں شامل ہیں۔ ان کے بیٹے سید سلمان حیدر اور سید رضوان حیدر، اور بیٹیاں نغمہ حیدر، عظمیٰ حیدر، رخشاں حیدر اور غزالہ حیدر اپنے اپنے شعبوں میں نمایاں ہیں۔ رشیدہ عیاں کی تخلیقات میں کئی اہم کتب شامل ہیں، جن میں "حرف حرف آئینہ" (1985ء)، "عشق پر زور نہیں" (1987ء)،

OPEN ACCESS · HEC · DRJI · ISSN International Standard Serial Number International Centre · اشاریہ اردو جرائد · EuroPub

"کرن کرن اجالا"(1992ء)، "جائزہ"(1994ء)، "آئینوں کے چہرے"(1996ء)، "ابھی پرواز جاری ہے"(2001ء)اور "شمیم کے نام" (2001ء) قابلِ ذکر ہیں۔

اُردو شاعری کی ایک نمایاں اور منفرد آواز رشیدہ عیاں نے اپنے تخلیقی کلام کے ذریعے عورت کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو نفاست، گہرائی اور حقیقت پسندی سے پیش کیا ہے۔ ان کی شاعری میں عورت کی داخلی و خارجی کشمکش، سماجی حقیقتوں، اور جذباتی پیچیدگیوں کو ایسی بصیرت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو قاری کو نہ صرف متاثر کرتی ہے بلکہ سماجی رویوں پر سوچنے پر مجبور بھی کرتی ہے۔ رشیدہ عیاں کے تصورِ عورت میں نسائی تجربات، قربانیوں، جدوجہد، اور خود مختاری کے مضامین شامل ہیں، جو ان کی نظموں کو ایک طاقتور بیانیہ بناتے ہیں۔ ان کی شاعری نسائی شعور کو ایک مضبوط آواز فراہم کرتی ہے اور عورت کے خواب، جدوجہد، اور سماجی حیثیت کو نئی جہت عطا کرتی ہے۔ ذیل میں رشیدہ عیاں کی اُن نظموں کے حوالے سے تفصیلی مطالعہ شامل ہے جن میں شاعرہ کے تصورِ عورت کا گہرا عکس دکھائی دیتا ہے۔

رشیدہ عیاں کی نظم "سنو کہانی" میں تصورِ عورت نسوانیت کے مختلف پہلوؤں اور سماجی تبدیلیوں کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ نظم عورت کے روایتی کرداروں سے آگے بڑھتے ہوئے اس کی خودمختاری، شعور، اور سماجی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ نظم کے آغاز میں عورت کو شہزادی کے استعارے سے پیش کیا گیا ہے جو جادو کے محل میں برسوں قید تھی اور "ایک ہی دھن میں غرق" ہو کر اپنی ذات کو بھول چکی تھی۔ یہ ایک ایسی لڑکی کی تصویر ہے جو سماجی بندھنوں، روایتی توقعات، اور خوابوں میں مقید ہے۔ یہاں عورت کے روایتی کردار، جیسے مرد کے سہارے پر انحصار اور اپنے آپ کو فراموش کر دینا، پر تنقیدی روشنی ڈالی گئی ہے۔

شاعرہ نے شہزادی کی نادانی کو اس کے محدود شعور سے تعبیر کیا ہے، جو صرف شہزادے کی مدد پر توجہ دیتی ہے اور اپنی ذات یا آزادی کی طرف دھیان نہیں دیتی۔ یہ معاشرے میں عورت کی وہ حالت ہے جہاں وہ اپنے اندرونی مسائل کو نظر انداز کر کے دوسروں کی خدمت کو اپنی کامیابی سمجھتی ہے:

اک شہزادی، جو برسوں تک سوئی پڑی تھی
وہ میرے عہدِ ماضی کی اک لڑکی تھی
وہ شہزادی، جو مدت تک جادو کے سنسان محل میں قید رہی تھی
اپنا آپ بھلا کر جو بس ایک ہی دھن میں غرق رہی تھی
شہزادے کے جسم سے چن کر اک اک
سوزن کتنی خوش تھی(1)

نظم کا دوسرا حصہ عورت کی جدوجہد اور خودمختاری کو اجاگر کرتا ہے۔ ایک شہزادی ایسی بھی تھی جو اپنی قسمت پر نازاں تھی اور اپنے جلال سے ظلم و جبر کے نظام کا سامنا کرتی تھی۔ یہ عورت کے اس پہلو کی نمائندگی کرتا ہے جو اپنی تقدیر کو خود سنوارنے اور سماج میں تبدیلی لانے کا عزم رکھتی ہے۔ لکڑہارے کو راج دینے اور ویرانے کو آباد کرنے والی شہزادی ایک خودمختار اور تخلیقی عورت کی علامت ہے۔ یہ وہ عورت ہے جو اپنی محنت اور عقل سے نہ صرف اپنی بلکہ دوسروں کی زندگی کو بھی بہتر بناتی ہے۔ یہاں عورت کو ایک قائد اور سماجی معمار کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

نظم کا اختتام عورت کو "خود بھی کچھ ہونے کا ایقان" دلانے پر ہوتا ہے۔ یہ عورت کے اندر خود اعتمادی اور اپنی صلاحیتوں پر یقین پیدا کرنے کی ضرورت کو ظاہر کرتا ہے۔ شاعرہ یہ پیغام دیتی ہے کہ عورت کو دوسروں پر انحصار کرنے کے بجائے اپنی شناخت کو سمجھنا اور اسے مضبوط کرنا چاہیے۔ آخر میں شاعرہ اپنی بیٹی کو مخاطب کرتی ہیں، جو اس بات کی علامت ہے کہ یہ سوچ اور جدوجہد نسل در نسل منتقل کی جا رہی ہے۔ شاعرہ

اپنی بیٹی کو عورت کی طاقت، خود مختاری، اور وقار کی کہانی سناتی ہیں تاکہ وہ اپنے اندر موجود شعور اور صلاحیتوں کو پہچان سکے۔ بقول ڈاکٹر فاطمہ حسن:

"ان کے مجموعے "ابھی پرواز جاری ہے" سے ایک نظم "سنو کہانی" میں رشیدہ عیاں نے جدید عہد میں بدلتے ہوئے صنفی رویے کو ماضی کے داستانوی کرداروں کے حوالے سے بہت خوب صورتی سے واضح کیا ہے۔"(2)

رشیدہ عیاں اس نظم میں عورت کو سماجی قید و بند سے آزاد کر کے خود مختار، محنتی، اور باشعور فرد کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ وہ عورت کی نادانی اور محدودیت کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے اسے ایک باوقار، خود مختار، اور تخلیقی وجود کے طور پر تسلیم کرنے کا پیغام دیتی ہیں۔ اس نظم میں عورت کو اپنی ذات اور اپنی اہمیت کو پہچاننے کا درس دیا گیا ہے، جو شاعرہ کے تصورِ عورت کی بنیاد ہے۔

رشیدہ جہاں کی نظم "ہم رشتگی" ایک گہری فلسفیانہ اور جذباتی اظہار ہے جو عورت کے تعلقات، سماجی توقعات، اور ذاتی آزادی کے درمیان کشمکش کو بیان کرتی ہے۔ نظم کا ہر پہلو عورت کی شناخت اور رشتوں کے پیچیدہ بندھنوں کو اجاگر کرتا ہے۔ نظم کے ابتدائی اشعار عورت کی زندگی کے سفر کو بیان کرتے ہیں، جہاں وہ "حیاتِ فانی کے کتنے ہی موڑ کاٹ آئی"۔ یہ عورت کے تجربات، جدوجہد، اور زندگی کے مختلف مراحل کی طرف اشارہ ہے۔ شاعرہ کے مطابق، یہ سفر صرف خارجی نہیں بلکہ داخلی بھی ہے، جہاں عورت اپنے رشتوں، جذبات، اور شناخت کی گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش کرتی ہے۔

"ہوا سے ہم رشتگی کے سارے حسین بندھن" عورت کے ان تعلقات کی نمائندگی کرتے ہیں جو خوشنما اور دلکش تو ہیں لیکن ان سے چھٹکارا پانا ممکن نہیں۔ شاعرہ ان رشتوں کو ہوا سے تشبیہ دیتی ہیں، جو ایک طرف آزاد اور شفاف ہیں، لیکن دوسری طرف ان کے دائرے عورت کو قید رکھتے ہیں۔ یہاں عورت کے معاشرتی کردار اور ذمہ داریوں کا ذکر ہے، جو اس کے لیے خوشی اور بوجھ دونوں کا سبب بنتے ہیں۔ نظم میں عورت کی آزادی کی جستجو کو واضح کیا گیا ہے۔ شاعرہ کہتی ہیں، "میں اس کے محور کے دائروں سے نکل گئی ہوں"، لیکن فوراً اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ وہ دائرے درحقیقت "طلائی کنگن" اور "جھانجریں" بن کر اس کے وجود کے ساتھ جُڑے ہوئے ہیں۔ جو اس بات کی علامت ہیں کہ عورت سماجی اور جذباتی تعلقات کے دباؤ سے مکمل طور پر آزاد نہیں ہو سکتی۔ اس کشمکش میں آزادی کا خواب ایک سراب بن جاتا ہے:

میں اس کے محور کے دائروں سے نکل گئی ہوں	وہ چاندنی سی رفاقتیں، جن کو چھوڑ آئی
کنول سی آنکھیں، گلاب چہرے	مرے تعاقب میں دور تک میرے ساتھ آئے
دلوں کے مندر میں پیار کی گھنٹیاں بجیں	پر نہ مڑ کے دیکھا مگر یہ کیا ہے
کہ دائرے تو طلائی کنگن بنے ہوئے ہیں	یہ دائرے، تمہیں جھانجریں بن کے میرے پیروں میں بج رہے ہیں (3)

نظم میں محبت، رفاقت، اور حسین یادوں کو "چاندنی سی رفاقتیں"، "کنول سی آنکھیں"، اور "گلاب چہرے" کے استعاروں میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ یادیں عورت کے دل و دماغ میں ہمیشہ موجود رہتی ہیں اور اس کے وجود کا حصہ بن جاتی ہیں۔ شاعرہ کے مطابق، یہ حسین رشتے عورت کی زندگی میں جمالیات اور معنی کا اضافہ کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی اسے قید بھی کر لیتے ہیں۔ نظم کے اختتام پر شاعرہ اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہیں کہ وہ "ہم رشتگی کے بندھن نہ توڑ پائی"۔ یہ ایک ایسی عورت کی عکاسی ہے جو سماجی بندھنوں سے آزاد ہونے کی خواہش تو رکھتی ہے لیکن عملی طور پر ان سے الگ نہیں ہو سکتی۔ یہ عورت کی سماجی حیثیت اور اس کے گرد لپٹے ہوئے روایتی رشتوں کی علامتی تصویر ہے، جہاں وہ آزادی اور ذمہ داری کے درمیان پھنس کر رہ جاتی ہے۔

رشیدہ جہاں کی اس نظم میں تصورِ عورت میں دو بڑے پہلو نمایاں ہیں؛ ایک وہ محبت، تعلقات، اور سماجی ذمہ داریوں کا مرکز ہے، جو اسے زندگی کی خوبصورتی اور معنویت فراہم کرتے ہیں۔ دوسرا عورت اپنی انفرادیت اور خود مختاری کی خواہش رکھتی ہے، لیکن ان رشتوں کے دائرے سے نکلنے میں ناکام رہتی ہے۔ یہ نظم نہ صرف عورت کے جذباتی اور سماجی رشتوں کی گہرائی کو بیان کرتی ہے بلکہ اس کے داخلی تضاد کو بھی اجاگر کرتی ہے۔ شاعرہ نے عورت کے اندرونی اور بیرونی تجربات کو حسین استعاروں اور تشبیہات کے ذریعے بیان کیا ہے۔ شاعرہ عورت کی اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہے کہ وہ سماجی ڈھانچے میں ایک کلیدی مقام رکھتی ہے، لیکن اس مقام کی قیمت اسے اپنی آزادی کھو کر چکانی پڑتی ہے۔ رشیدہ جہاں کی یہ نظم عورت کو ایک پیچیدہ اور کثیر الجہتی کردار میں پیش کرتی ہے۔ وہ نہ صرف محبت اور تعلقات کے جمالیاتی پہلو کو سراہتی ہیں بلکہ ان کی قید اور جبر کو بھی نمایاں کرتی ہیں۔ یہ نظم عورت کے سماجی، جذباتی، اور ذاتی سفر کا گہرا تجزیہ پیش کرتی ہے، جس میں آزادی اور ذمہ داری کے درمیان ایک نہ ختم ہونے والی کشمکش نظر آتی ہے۔

نظم "لچھمن ریکھا" عورت کے وجود، اس کی جدوجہد، اور سماجی کرداروں پر تنقیدی و فلسفیانہ اظہار ہے۔ یہ نظم عورت کے انفرادی حقوق، سماجی قید و بند، اور اس کی قربانیوں کے تضادات کو اجاگر کرتی ہے۔ شاعرہ نے عورت کے ساتھ جڑے تصورات جیسے ناموس، قربانی، اور مامتا کے پیچیدہ رشتے کو مہارت سے بیان کیا ہے۔ نظم کی ابتدا میں شاعرہ عورت کو "ناموس کی زنجیر" سے تشبیہ دیتی ہیں، جو نہ صرف سماج کی عزت و وقار کا استعارہ ہے بلکہ اس کی قید کا بھی۔ عورت کو ایک ایسے کردار میں مقید کیا گیا ہے جہاں اس کی حیثیت صرف حفاظت کی ضمانت دینے والی ایک "چیز" کی مانند ہے۔ شاعرہ اس بندھن کو آزادی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ کے طور پر پیش کرتی ہیں۔

شاعرہ کہتی ہیں، "سینکڑوں بار مرے دل میں یہ خواہش جاگی توڑ دوں حلقہ زنجیر ستم۔" یہ عورت کے دل میں آزادی کی خواہش اور اپنی انفرادی شناخت کی تلاش کی عکاسی ہے۔ لیکن اس خواہش کے باوجود سماج کے سخت رویے اور جبر کے باعث وہ اس زنجیر کو توڑنے میں ناکام رہتی ہے۔ یہ کشمکش عورت کے وجود کے اس پہلو کو اجاگر کرتی ہے کہ اسے اپنی ذات کے لیے کچھ کرنے کی آرزو ہے لیکن سماجی دباؤ اور ذمہ داریاں اُسے اپنے خوابوں کو پورا کرنے سے روکتے ہیں۔ شاعرہ سوال کرتی ہے کہ کیا یہ ضروری ہے کہ وہ "ستم و جور کی بھٹی میں پگھل کر رہ جائے"؟ یہ استفسار عورت کے اس کردار پر ایک تنقیدی نظر ہے جس میں وہ سماج کی عزت و ناموس کی خاطر قربان ہوتی رہتی ہے۔ شاعرہ عورت کو ایک انفرادی شخصیت کے طور پر دیکھنا چاہتی ہیں، جو اپنی زندگی جینے کا حق رکھتی ہے:

میں، کہ ناموس کی زنجیری ہوں	پر حفاظت بھی ہے ناموس کی میری طینت
میرا ہر دور، مجھے حلقہ زنجیر رہا	سیکڑوں بار مرے دل میں یہ خواہش جاگی
توڑ دوں حلقہ زنجیر ستم	کھول دوں در کوئی زندان کی دیواروں میں (4)

نظم کا آخری حصہ عورت کے کردار میں ایک بڑا تضاد پیش کرتا ہے کہ جب آزادی اور خود مختاری کی خواہش کے باوجود، مامتا کی طاقت اور محبت کا جذبہ اسے ایک نئی قید، "لچھمن ریکھا"، میں لے آتا ہے۔ مامتا کے جذبے کو شاعرہ نے ایک خوبصورت استعارے کے ذریعے بیان کیا۔ "اک ہمکتے ہوئے بچے کی حسین آنکھوں میں" یہ ماں کی محبت اور مامتا کی طاقت کی تصویر ہے، جو عورت کی تمام آزادیوں کو محبت اور قربانی میں بدل دیتی ہے۔ لچھمن ریکھا رامائن کی کہانی سے مستعار لیا گیا استعارہ ہے، جو یہاں عورت کے سماجی کرداروں اور ذمہ داریوں کی حدود کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ حدود ایک طرف تو حفاظت کا نشان ہیں، لیکن دوسری طرف یہ عورت کے آزادانہ وجود کو محدود کرتی ہیں۔ سماجی زنجیر عورت کو روایتی کرداروں

تک محدود رکھتی ہے اور داخلی جذبہ مامتا، محبت، اور قربانی کے ذریعے عورت کو اپنی ذات سے بلند ہونے پر مجبور کرتا ہے۔ رشیدہ جہاں کے تصورِ عورت میں آزادی، انفرادیت، اور قربانی کے امتزاج کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ان کے نزدیک عورت کو اپنی آزادی اور شناخت کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے، لیکن سماجی توقعات اور ذمہ داریوں کے بوجھ کے باعث یہ جدوجہد اکثر نامکمل رہتی ہے۔ نظم کے اختتام پر، مامتا اور محبت کا عنصر یہ ظاہر کرتا ہے کہ عورت خود اپنی خواہشات کو دبانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

یہ نظم عورت کے جذبات، اس کی داخلی کشمکش، اور سماجی رویوں پر ایک گہرا تبصرہ ہے۔ "ناموس کی زنجیر"، "لچھمن ریکھا"، اور "مامتا" ایسے استعارے عورت کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں۔ شاعرہ عورت کو ایک ایسا کردار سمجھتی ہے جو سماج کے لیے قربانی دیتا ہے لیکن اپنی شناخت کے لیے جدوجہد بھی کرتا ہے۔ یہ نظم عورت کے حقوق اور آزادی کی ایک اہم آواز ہے۔ نظم "لچھمن ریکھا" عورت کے وجود کو ایک پیچیدہ مگر خوبصورت انداز میں پیش کرتی ہے۔ یہ نظم آزادی اور قربانی کے درمیان عورت کی کشمکش، سماجی بندھنوں کی قید، اور مامتا کی محبت کو اجاگر کرتی ہے۔ شاعرہ کے نزدیک عورت ایک آزاد اور خود مختار ہستی ہے، لیکن سماجی دباؤ، روایتی کردار، اور مامتا کا جذبہ اسے ایک نئے دائرے میں قید کر دیتا ہے۔ یہ نظم عورت کے وجود کی پیچیدگی اور اس کی طاقت کا بھرپور اظہار ہے۔

ایک اور نظم "گھر" عورت کی زندگی میں گھر کے تصور، اس سے وابستہ خوابوں، اور تلخ حقائق کا ایک گہرا تجزیہ پیش کرتی ہے۔ یہ نظم اس بات کو اجاگر کرتی ہے کہ ایک عورت کے لیے "گھر" محض ایک جسمانی جگہ نہیں بلکہ ایک خواب، خواہش، اور شناخت کا استعارہ ہے، جو عمر کے مختلف مراحل میں مختلف معانی اختیار کرتا ہے اور عورت کے لیے یہ خواب اکثر ادھورا اور اس کی شناخت سے بے گانہ رہتا ہے۔ نظم کا آغاز بچپن سے ہوتا ہے، جب ایک بچی مٹی کا گھروندا بناتی ہے اور خوش ہوتی ہے کہ یہ "اُس کا گھر" ہے۔ یہ ابتدائی معصومیت اور اپنی دنیا تخلیق کرنے کی خواہش کا اظہار ہے۔ لیکن شاعرہ فوراً یہ حقیقت دکھاتی ہیں کہ بچپن کے خواب زندگی کی حقیقت میں سماتے نہیں۔ یہ تضاد اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ عورت کے لیے گھر کا تصور ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور وہ اپنی زندگی کے کسی بھی موڑ پر اپنا گھر نہیں پا سکتی۔

نظم میں "گھر" کے حقِ ملکیت کو باپ، بھائی، اور شوہر کے نام منسوب کیا گیا ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کے لیے گھر ہمیشہ کسی مرد کی ملکیت میں رہتا ہے۔ بچپن میں ماں سے پوچھنے پر یہ انکشاف ہوتا ہے کہ "یہ باپ کا گھر ہے"۔ یہاں عورت کی بے جڑ شناخت کا اظہار کیا گیا ہے، جہاں وہ صرف ایک مہمان کی طرح رہتی ہے۔ باپ کے جانے کے بعد ماں کا جواب کہ "یہ بھائی کا گھر ہے" عورت کی مزید بے چینی کو ظاہر کرتا ہے، کیونکہ گھر اب بھی عورت کے لیے نہیں ہے۔ شادی کے بعد عورت نئے خواب لے کر شوہر کے گھر آتی ہے، لیکن یہاں بھی اسے معلوم ہوتا ہے کہ "یہ شوہر کا گھر ہے"۔ یہ انکشاف عورت کے خوابوں کو توڑ دیتا ہے اور اسے یہ سمجھ آتا ہے کہ "اپنا گھر" محض ایک خواب ہی رہے گا:

ہر بچی، دوشیزہ، بوڑھی — گہوارے سے گور کے در تک
گھر کے خواب بُنا کرتی ہے — بچپن میں مٹی کا گھروندا بنا کے خوش تھی
آہا، یہ تو میرا گھر ہے — لیکن اس ننھے سے گھروندے میں اس کے
سب، عہدِ طفلی، — دورِ جوانی کہاں سماتے (5)

نظم کے مختلف مراحل عورت کی شناخت کی جدوجہد کو نمایاں کرتے ہیں۔ وہ بچپن سے لے کر جوانی اور بڑھاپے تک "اپنے" گھر کی تلاش میں رہتی ہے، لیکن ہر جگہ اسے بتایا جاتا ہے کہ وہ کسی اور کی ملکیت ہے۔ یہ نظم اس سماجی نظام پر تنقید ہے جو عورت کو اس کے وجود سے محروم رکھتا ہے اور اس کی شناخت کو ہمیشہ کسی مرد سے جوڑتا ہے۔ نظم میں "گھر" کو ایک قید کی طرح پیش کیا گیا ہے، جہاں عورت کے خوابوں اور خواہشات کو

دبایا جاتا ہے۔ "ارمانوں کے جگنو دل کی مٹھی میں تھے" سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عورت اپنی خواہشات اور خوشیوں کے ساتھ گھر آتی ہے، لیکن "سارے گھنگرو، چھن چھن ٹوٹے" ان خوابوں کے بکھرنے کا استعارہ ہے۔ عورت کو گھر میں صرف ذمہ داریوں اور فرماں برداری کا پابند بنایا جاتا ہے، جبکہ اس کی خواہشات نظر انداز کی جاتی ہیں۔

نظم میں شوہر کی طرف سے محبت کے اظہار کو بھی دکھایا گیا ہے، جہاں وہ کہتا ہے، "دیکھو تو، یہ میرا گھر ہے۔" یہ جملہ محبت اور دعویٰ دونوں کا عکاس ہے۔ محبت کے باوجود، شوہر کے اس بیان میں عورت کی حیثیت کو محدود کر دیا گیا ہے کہ وہ صرف ایک شریکِ حیات ہے، لیکن مالک نہیں۔ یہ کشمکش عورت کی اس دوہری حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ ایک طرف محبت کی محتاج ہے، اور دوسری طرف اسے اپنے خوابوں اور شناخت کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ رشیدہ جہاں کے نزدیک عورت کی زندگی ایک ایسی جدوجہد ہے جہاں وہ "اپنا گھر" تلاش کرتی رہتی ہے، لیکن سماجی ڈھانچے کی وجہ سے کبھی حاصل نہیں کر پاتی۔ رشیدہ عیاں عورت کے خوابوں کو معصومیت اور خواہشات کی علامت کے طور پر پیش کرتی ہے۔ وہ تنقید کرتی ہے کہ عورت کو ہمیشہ دوسرے کی ملکیت سمجھا جاتا ہے اور اس کے لیے "گھر" ایک ایسی جگہ بن جاتا ہے جہاں اس کی آزادی محدود ہوتی ہے۔ عورت کے لیے سماج میں ایک آزاد اور خود مختار شناخت کی ضرورت پر زور دیتی ہیں، جو اسے گھر کے اندر بھی میسر نہیں آتی۔

مذکورہ نظم کا موضوع عورت کی زندگی میں گھر کے خواب اور حقیقت کا تضاد ہے، جو بہت اہم سماجی حقائق پر مبنی ہے۔ شاعرہ نے "گھر"، "مٹی کا گھروندا"، اور "گھنگرو" ایسے استعاروں کے ذریعے عورت کی زندگی کے مختلف مراحل کو خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ یہ نظم عورت کے حقوق، شناخت، اور خوابوں کی حقیقت پر ایک گہرا سوال اٹھاتی ہے، اور سماج کی ان روایات پر تنقید کرتی ہے جو عورت کو اس کے حق سے محروم رکھتی ہیں۔ نظم "گھر" "عورت کے خواب، شناخت، اور سماجی حقائق کا عمیق بیان ہے جو عورت کے لیے "گھر" کے تصور کو محض ایک جگہ کی بجائے خواب اور محرومی کا استعارہ بناتی ہے۔ شاعرہ اس بات پر زور دیتی ہیں کہ عورت کی زندگی میں شناخت اور خود مختاری کی جدوجہد بنیادی حیثیت رکھتی ہے، لیکن سماجی ڈھانچہ اسے ہمیشہ کسی نہ کسی طور قید میں رکھتا ہے۔ یہ نظم عورت کی آزادی اور سماجی انصاف کی ایک گہری پکار ہے۔

اسی طرح ایک اور نظم "مجسمہ آزادی" عورت کی قوت، عزم، اور آزادی کی تمنا کا نفیس استعارہ پیش کرتی ہے۔ یہ نہ صرف عورت کی جدوجہد کو واضح کرتی ہے بلکہ اس کے حوصلے، استقامت، اور انسانی وقار کی اہمیت کو بھی اجاگر کرتی ہے۔ نظم میں آزادی کا مجسمہ ایک ایسی علامت ہے جو عورت کے مثالی کردار اور معاشرتی چیلنجوں کا عکاس ہے۔ آزادی کے مجسمے کو ایک عورت کے مثالی کردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یہ مجسمہ نہ صرف آزادی کی مشعل تھامے ہوئے ہے بلکہ تمام مشکلات کے باوجود اپنے موقف پر مضبوطی سے کھڑا ہے۔ شاعرہ نے اس مجسمے کو عورت کے اندرونی عزم اور استقامت کا استعارہ بنایا ہے۔ مشعلِ آزادی کی روشنی عورت کی رہنمائی، حوصلہ، اور حقوق کی علامت ہے، جو اس کی جدوجہد کے راستے کو روشن کرتی ہے۔ یہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ عورت اپنے اندر وہ تمام طاقت اور حوصلہ رکھتی ہے جو اسے دنیا کے ہر جبر کے خلاف ڈٹے رہنے کے قابل بناتا ہے۔

مجسمہ آزادی کی تصویر کشی کے ذریعے شاعرہ نے عورت کی جدوجہد کو اجاگر کیا ہے، جو ہر موسم کی سختی، طوفانوں، اور وقت کے جبر کا مقابلہ کرتے ہوئے بھی اپنے عزم پر قائم رہتی ہے۔ مجسمہ آزادی، جو پتھر کا ہے، وقت اور قدرت کی تمام آزمائشوں کو سہتا ہے۔ شاعرہ نے اپنے اور مجسمہ آزادی کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ بھی اسی طرح جبر و استبداد کے خلاف ڈٹی ہوئی ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ وہ زندہ ہے، جذبات

رکھتی ہے، اور گوشت وخون کی بنی ہے۔ یہ موازنہ عورت کی مضبوطی کو حقیقی انسانی پہلو سے جوڑتا ہے، جس میں اسے معاشرتی دباؤ کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے:

اک اسٹیچو — اک عورت کی قوت اور رعنائی کا پیکر
ہاتھ میں مشعل لے کر اپنے گرد اجالے بانٹ رہا ہے — برف کے طوفانوں سے، بارش سے بے پروا
گرمی، دھوپ، تمازت سے یکسر بیگانہ — آزادی کی عظمت کا محکم شہ پارہ(6)

نظم میں اس بات کو نمایاں کیا گیا ہے کہ آزادی کے حصول کے لیے قربانی ضروری ہے۔ ”پتھر ریزہ کرنے والی لہروں کی چوٹیں سہ سہ کر“ اس بات کی علامت ہے کہ عورت کو سماج کی روایات، پابندیوں، اور تعصبات کے خلاف مسلسل لڑنا پڑتا ہے۔ شاعرہ کا کہنا ہے کہ آزادی کوئی آسان شے نہیں؛ یہ قربانی، ہمت، اور استقامت کا مطالبہ کرتی ہے۔ نظم میں آزادی کے مجسمے کو عورت کی قوت اور رعنائی کے ساتھ جوڑا گیا ہے، جیسے آزادی اور عورت کی شخصیت ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ آزادی عورت کے وجود کا ایک لازمی حصہ ہے، جو اسے مکمل انسان بناتا ہے۔ شاعرہ عورت کو صرف ایک سماجی کردار نہیں، بلکہ ایک آزاد اور خود مختار شخصیت کے طور پر پیش کرتی ہیں، جو اپنی مشعل کے ذریعے دوسروں کو بھی راستہ دکھا سکتی ہے۔ نظم میں ”مشعل“، ”لہریں“، اور ”پتھر“ ایسے استعارے استعمال کیے گئے ہیں، جو آزادی، مشکلات، اور عورت کی مضبوطی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ شاعرہ نے آزادی کو ایک بلند انسانی قدر کے طور پر پیش کیا ہے، جس کا تعلق صرف اقوام سے نہیں بلکہ فرد خصوصاً عورت کی آزادی سے بھی ہے۔ نظم میں عورت کی جدوجہد کو عالمی سطح پر پیش کیا گیا ہے، جو اسے ایک وسیع تناظر دیتا ہے۔

شاعرہ نے آزادی کے مجسمے اور اپنی زندگی کا موازنہ کرتے ہوئے ایک اہم نکتہ اٹھایا ہے۔ مجسمہ، جو پتھر کا ہے، سخت اور بے جان ہے، جبکہ عورت زندہ ہے، جذبات رکھتی ہے، اور درد محسوس کرتی ہے۔ یہ فرق عورت کی جدوجہد کی شدت کو بڑھا دیتا ہے، کیونکہ وہ جبر، مشکلات، اور سماجی دباؤ کو اپنی زندگی میں حقیقی طور پر برداشت کرتی ہے۔ یہ نظم عورت کو صرف مظلومیت کے تناظر میں پیش نہیں کرتی، بلکہ اسے ایک تحریک کا مرکز بناتی ہے۔ شاعرہ نے دکھایا ہے کہ عورت نہ صرف سماجی مشکلات کا سامنا کرتی ہے بلکہ اپنی ہمت اور قوت سے آزادی کا استعارہ بھی بن سکتی ہے۔ اس نظم میں عورت کی خود مختاری اور سماجی مساوات کے لیے جدوجہد کو ایک عالمی سطح پر پیش کیا گیا ہے، جو ہر دور اور ہر خطے کی عورت کے لیے ایک تحریک کا پیغام ہے۔

رشیدہ جہاں کی نظم ”کوئلے کی کان“ عورت کی جدوجہد، معاشی ناہمواری، اور محنت کے وقار کو گہری بصیرت کے ساتھ اجاگر کرتی ہے۔ یہ نہ صرف ایک سماجی تنقید ہے بلکہ انسانی محنت، خودداری، اور عورت کی عظمت کے بارے میں ایک مثبت پیغام بھی پیش کرتی ہے۔ اس میں رشیدہ جہاں نے محنت کی اہمیت اور اس کے اثرات کو عورت کے حوالے سے گہرے اور پُر اثر انداز میں پیش کیا ہے۔ رشیدہ جہاں نے کوئلے کی کان کو تضاد کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔ ایک طرف، کان کو ”منحوس“ اور ”تاریکی کا گہوارہ“ کہا گیا ہے، جو سماج کے منفی نظریات کی نمائندگی کرتا ہے۔ دوسری طرف، یہی کان ہیرے پیدا کرتی ہے، جو روشنی، خوبصورتی، اور امید کی علامت ہیں۔ یہ تضاد عورت کی زندگی کی عکاسی کرتا ہے، جو مشکلات کے باوجود اپنی محنت اور قربانی کے ذریعے سماج میں روشنی اور وقار پیدا کرتی ہے۔

نظم میں مزدوروں کی محنت اور ان کی مشقت کے اثرات کو عورت کی زندگی سے جوڑا گیا ہے۔ کان میں کام کرنے والے مزدوروں کی سخت محنت کو سماجی بہبود کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ ”کسی دوشیزہ کی آنکھوں کے کنول“ اور ”عزت کی رِدا“ ایسے استعارے عورت کی سماجی حیثیت اور وقار کو اجاگر کرتے ہیں۔ یہ اس بات کا اظہار ہے کہ عورت کی خوشحالی اور عزت، مردوں کی محنت اور سماجی انصاف سے جڑی ہوئی ہے۔ رشیدہ جہاں نے کان

میں کام کرنے والے مزدوروں کی محنت کو قابلِ قدر بتایا ہے، حالانکہ یہ محنت ظاہری طور پر کثیف اور مشکل نظر آتی ہے۔ مزدوروں کی کالی پوشاک اور سیاہ چہروں کو سماجی تعصب کا شکار مانا جاتا ہے، مگر یہ ان کی عظمت کو کم نہیں کرتا۔ مزدوروں کی محنت سے "پیٹ کو روٹی" اور "دوشیزہ کو عزت کی رِدا" میسر آتی ہے، جو محنت کے وقار اور اس کے حقیقی اثرات کو ظاہر کرتا ہے:

ان کی اُجرت کو مشقت کا حوالہ کر کے — سب راق بنیں گے، کئی مزدوروں کے
کئی بچوں کے لیے دودھ میسر ہو گا — کسی دوشیزہ کی آنکھوں کے کنول
اس کی نوخیز جوانی کے اُبھار — اس کے گالوں کے چنار
ایک چادر کے نہ ہونے سے، نہ عریاں ہوں گے — ہاں اسی کان میں محنت کا صلہ
پیٹ کو روٹی تو — دوشیزہ کو عزت کی رِدا بخشے گا(7)

نظم میں رشیدہ جہاں نے اس بات پر بھی تنقید کی ہے کہ مزدوروں کی مشقت کا صلہ اکثر ان کی ضروریات کے لیے ناکافی ہوتا ہے۔ "ان کی اُجرت کو مشقت کا حوالہ کر کے" ایک ایسے نظام کی نشاندہی کرتا ہے جو محنت کش طبقے کو استحصال کا شکار بناتا ہے۔ عورت، خاص طور پر دوشیزہ، اس نظام کی پیچیدگیوں کا شکار ہے، جس کے نتیجے میں اس کی عزت اور وقار اکثر داؤ پر لگ جاتا ہے۔ نظم میں عورت کو براہِ راست کوئلے کی کان اور اس کے اثرات سے جوڑا گیا ہے۔ کان میں جنم لینے والے ہیرے، عورت کے وجود کی روشنی اور وقار کو ظاہر کرتے ہیں۔ شاعرہ نے مزدور کی مشقت کو دوشیزہ کی عزت اور خوشحالی سے مربوط کر کے یہ پیغام دیا ہے کہ سماجی انصاف اور عورت کی آزادی محنت اور قربانی سے جڑی ہوئی ہیں۔

استعاروں اور علامتوں کے ذریعے کان، کوئلہ، ہیرے، اور مزدور عورت کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو ظاہر کرتے ہیں۔ نظم محنت کے وقار، عورت کی خوشحالی، اور سماجی انصاف پر زور دیتی ہے۔ رشیدہ جہاں نے عورت کو محنت کشوں کے عزم و ہمت کی روشنی میں پیش کیا ہے، جو عورت کی خودمختاری اور سماجی حیثیت کو مضبوط بنانے کی ضرورت کو ظاہر کرتا ہے۔ نظم "کوئلے کی کان" عورت کی جدوجہد اور سماجی انصاف کی اہمیت پر ایک طاقتور بیان ہے۔ شاعرہ نے کان کو عورت کی زندگی کا استعارہ بنا کر یہ پیغام دیا ہے کہ مشکلات کے باوجود عورت کی خوشحالی اور عزت ممکن ہے، بشرطیکہ سماجی انصاف اور محنت کا صلہ دیا جائے۔ نظم نہ صرف عورت کی سماجی حیثیت کو اجاگر کرتی ہے بلکہ مزدوروں کی محنت اور قربانی کے حقیقی اثرات کو بھی واضح کرتی ہے۔ یہ سماج کے تمام طبقات، خصوصاً عورتوں اور محنت کشوں، کے لیے ایک تحریک اور پیغام کی حیثیت رکھتی ہے۔

رشیدہ جہاں کی نظم "حرفِ اُلفت" عورت کے شعور، تخلیقی قوت، اور محبت کے آفاقی تصور کو عمدگی سے بیان کرتی ہے۔ یہ عورت کو ایک ایسے کردار کے طور پر پیش کرتی ہے جو تہذیب، محبت، اور زندگی کی تشکیل میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ عورت کے کردار کو وقت کے دریا کی روانی، تخلیق کے عمل، اور محبت کی آفاقی شریعت سے جوڑا گیا ہے۔ نظم کی ابتدائی سطریں وقت کی ازلی اور ابدی روانی کو بیان کرتی ہیں۔ شاعرہ وقت کے دریا کو ایک مسلسل جاری قوت کے طور پر دیکھتی ہیں، جس میں "وہی قوت، وہی شورش، وہی رفتار" موجود ہے۔ اس تناظر میں عورت کو ایک ایسی ہستی کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو وقت کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر اپنی تخلیقی قوت اور شعور کے ذریعے زندگی کو ترتیب دیتی ہے۔ یہ عورت کی ہمیشگی، تسلسل، اور تعمیراتی کردار کو واضح کرتا ہے۔

نظم میں محبت کو تخلیق کی بنیاد کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ شاعرہ "آبی موتیوں کے شبنمی قطرے" اور "نمیدہ ریت" کے استعاروں کے ذریعے عورت کے نرم دل اور تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہیں۔ "میری انگلیوں کی نرم پوروں سے نئی تخلیق کی گنگا بہاتا ہے" اس بات کا اشارہ ہے کہ

عورت اپنی نرمی اور محبت کے ذریعے نئی زندگی اور تخلیق کے عمل کو ممکن بناتی ہے۔ یہ عورت کی لطافت، تخلیقی صلاحیت، اور محبت کے رشتے کو اجاگر کرتا ہے۔ نظم میں قلم کا ذکر ایک طاقتور علامت کے طور پر کیا گیا ہے۔ شاعرہ عورت کو دعوت دیتی ہیں کہ وہ "قلم کا حق ادا کرے" اور "حروف و آگہی کی نقرئی جھنکار" بنے۔ یہ عورت کی شعوری بیداری، فکری آزادی، اور سماجی تبدیلی میں اس کے کردار کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔

عورت نہ صرف محبت کی پیامبر ہے بلکہ علم، شعور، اور انصاف کی علمبردار بھی ہے:

جو میری انگلیوں کی نرم پوروں سے نئی تخلیق کی گنگا بہاتا ہے　　وہ سرگوشی میں کہتا ہے
کہ اب بھی وقت ہے۔ اٹھو۔ قلم کا حق ادا کردو　　صدا بن کر حروف و آگہی کی نقرئی جھنکار سے
آواز سے　　افکار سے
تم اس جہاں میں حرفِ الفت کو　　شریعت کے نوا دیدہ
ازل سے تا ابد، اک حرفِ الفت ہی　　شریعت ہے　　(8)

نظم کا مرکزی خیال محبت کو شریعت کے طور پر پیش کرنا ہے۔ شاعرہ اس بات پر زور دیتی ہیں کہ "ازل سے تا ابد، اک حرف الفت ہی شریعت ہے۔" یہ محبت کو تمام اصولوں، قوانین، اور تہذیبی بنیادوں کی اصل قرار دیتی ہے۔ عورت کو محبت کے اس ابدی پیغام کی حامل اور عملی مظہر کے طور پر دکھایا گیا ہے، جو سماج کو جوڑنے، سدھارنے، اور آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس نظم میں عورت کو ایک متحرک، تخلیقی، اور محبت کے پیغامبر کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ عورت وقت کی روانی کے ساتھ ہم آہنگ ہے اور اپنی تخلیقی قوت سے زندگی کے تسلسل کو برقرار رکھتی ہے۔ محبت، علم، اور شعور کے ذریعے عورت نہ صرف اپنی بلکہ پورے سماج کی تعمیر کرتی ہے۔ نظم عورت کو ایک ایسی ہستی کے طور پر دیکھتی ہے جو محبت کو اصول اور علم کو ذریعہ بنا کر زندگی کی تشکیل کرتی ہے۔

نظم میں "وقت کا دریا"، "آبی موتی"، "قلم" اور "حرفِ اُلفت" ایسے استعارے عورت کی تخلیقی اور شعوری صلاحیتوں کو اجاگر کرتے ہیں۔ اس میں محبت کو شریعت قرار دے کر شاعرہ نے عورت کے کردار کو نہایت آفاقی اور ہمہ جہت انداز میں پیش کیا ہے۔ نظم عورت کو ایک مثبت تبدیلی کی علامت کے طور پر دیکھتی ہے، جو محبت اور شعور کے ذریعے سماج میں انقلاب لا سکتی ہے۔ رشیدہ جہاں کی نظم "حرفِ اُلفت" عورت کو محبت، شعور، اور تخلیق کی علامت کے طور پر پیش کرتی ہے۔ شاعرہ نے عورت کو وقت کے تسلسل میں ایک لازمی اور تخلیقی قوت قرار دیا ہے، جو محبت کے پیغام کو عملی جامہ پہنا کر سماج میں تبدیلی کا سبب بنتی ہے۔ یہ نظم نہ صرف عورت کی عظمت کو اجاگر کرتی ہے بلکہ اس کے کردار کی اہمیت کو بھی تسلیم کرتی ہے، جو محبت اور شعور کی بنیاد پر ایک بہتر دنیا کی تشکیل میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

رشیدہ جہاں کی نظم "قلم بولتا ہے" ایک گہری تخلیقی اور سماجی شعور کی عکاس ہے، جس میں عورت کی خود مختاری، ضمیر، اور سچائی کے اظہار کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اس نظم میں شاعرہ نے قلم کو صداقت اور شعور کی علامت بنایا ہے، اور اس کے ذریعے عورت کے کردار اور اس کی فکری آزادی پر روشنی ڈالی ہے۔ نظم میں قلم کو عورت کی آواز اور اس کی فکر کی ترجمانی کے لیے مرکزی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ قلم شاعرہ کے لیے صرف ایک لکھنے کا آلہ نہیں، بلکہ صداقت، انصاف، اور سچائی کی علامت ہے۔ شاعرہ کہتی ہیں کہ وہ "گہن ہوتے ہوئے سورج کو دیکھ کر" اس کو "مہرِ عالمتاب" نہیں لکھ سکتیں، یعنی وہ ظلم اور ناحق کو حق اور خوبصورتی کے طور پر پیش نہیں کر سکتیں۔ یہ عورت کے ضمیر اور اصولی مؤقف کی عکاسی کرتا ہے، جہاں سچائی پر کوئی سمجھوتا ممکن نہیں۔

شاعرہ سماج میں موجود ظلم و ستم اور ناانصافی کو بے نقاب کرتی ہیں۔ "زہریلی ہوا میں سانس لے کر" اور "فسادِ ظلم کی دنیا میں رہ کر" کے الفاظ سماج کے گھٹن زدہ ماحول کی تصویر کشی کرتے ہیں، جہاں عورت اور دیگر محروم طبقات کو استحصال کا سامنا ہے۔ شاعرہ کا قلم ان حالات کے خلاف ایک مزاحمتی آواز ہے، جو کسی بھی قیمت پر سچائی کا ساتھ دینے سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ نظم میں عورت کی تخلیقی اور فکری آزادی کا پرزور دفاع کیا گیا ہے۔ شاعرہ کہتی ہیں کہ وہ اپنے قلم کو "زہر دے کر" یا "فکر کی شہزادیوں کو نیلام کرکے" اپنے ضمیر کا سودا نہیں کرسکتیں۔ یہ عورت کے تخلیقی کردار کی حفاظت اور اس کی آزادی کو یقینی بنانے کی خواہش کی نمائندگی کرتا ہے۔ شاعرہ کے نزدیک تخلیق، چاہے وہ ادب ہو یا آرٹ، اس کا مقصد صرف سچائی اور انصاف کی عکاسی ہے:

عجب الجھن میں ہوں، اور سوچتی ہوں کہ زہریلی ہوا میں سانس لے کر
فسادِ ظلم کی دنیا میں رہ کر زمانے کی مذبیہ دھوپ سہہ کر
قلم سے اپنے۔ یہ ممکن نہیں ہے گہن ہوتے ہوئے سورج کو دیکھوں
اور اس کی مہرِ عالمتاب لکھوں میں حنظل کو شراب ناب لکھوں (9)

نظم میں قلم کی عصمت کو عورت کی حرمت کے ساتھ جوڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ "قلم جب انگلیوں میں ڈولتا ہے، تو عصمت ہی قلم کی بولتی ہے" کے الفاظ قلم کی پاکیزگی اور عورت کی خود مختاری کو یکجا کرتے ہیں۔ شاعرہ کے لیے قلم ایک مقدس ذمہ داری ہے، جو اس کے ضمیر اور اصولوں کا آئینہ دار ہے۔ اس تصور کے ذریعے شاعرہ نے یہ پیغام دیا ہے کہ عورت اپنے تخلیقی اور فکری وسائل کو ہمیشہ عزت اور وقار کے ساتھ استعمال کرے۔ رشیدہ جہاں کی اس نظم میں عورت کو شعور اور سچائی کی علمبردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ عورت کی آواز (قلم) سماجی ناانصافیوں کے خلاف ایک مزاحمتی طاقت ہے۔ شاعرہ نے عورت کے ضمیر، اصولوں، اور اس کے فکری وسائل کی عصمت کو اہمیت دی ہے، جو اس کے کردار کی مضبوطی کو ظاہر کرتا ہے۔ عورت کو ایک ایسی ہستی کے طور پر دکھایا گیا ہے جو ہر طرح کے جبر اور ناانصافی کے خلاف اپنے قلم اور شعور کا استعمال کرتی ہے۔

اس نظم میں قلم، سورج، اور زہر ایسی علامتوں کے ذریعے شاعرہ نے گہرے فلسفیانہ خیالات کو پیش کیا ہے۔ سادہ لیکن مؤثر زبان کا استعمال نظم کو گہرے جذبات اور خیالات کی عکاس بناتا ہے۔ نظم کا لہجہ مضبوط، مزاحمتی، اور پُرعزم ہے، جو شاعرہ کے شعوری موقف کو واضح کرتا ہے۔ نظم "قلم بولتا ہے" عورت کی فکری آزادی، ضمیر کی طاقت، اور سچائی کے عزم کا گہرا اظہار ہے۔ شاعرہ کے نزدیک قلم عورت کی آواز اور اس کی تخلیقی خود مختاری کی علامت ہے، جو کسی بھی صورت میں جھوٹ اور ناانصافی کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ یہ نظم نہ صرف عورت کی تخلیقی صلاحیتوں کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے بلکہ سماجی انصاف کے قیام میں اس کے کردار کو بھی واضح کرتی ہے۔

رشیدہ جہاں کی ایک اور نظم "کربِ تنہائی" عورت کے وجود، جذبات، اور سماج میں اس کے مقام کے متعلق گہرے فلسفیانہ خیالات کی عکاسی کرتی ہے۔ نظم میں عورت کو ایک حساس، نازک، مگر تنہا ہستی کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جو سماج کے طوفانی حالات میں اپنی بقا کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ نظم میں شاعرہ نے عورت کو "بے نام حقیر تنکا" اور "کنول کا پھول" قرار دیا ہے۔ پہلی علامت میں عورت کو نازک اور بے وزنی کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جو موجوں (سماجی حالات) کے رحم و کرم پر ہے۔ یہ تنکا کسی مضبوط بنیاد سے محروم ہونے کی عکاسی کرتا ہے، جو عورت کی عدم تحفظ اور بے بسی کا استعارہ ہے۔ جبکہ کنول کا پھول عورت کی خوبصورتی، نرمی، اور پاکیزگی کو ظاہر کرتا ہے، لیکن یہ پاکیزگی اور دلکشی اسے استحصال سے نہیں بچا پاتی۔

نظم کا مرکزی موضوع تنہائی ہے، جو عورت کے وجود کے کرب کو اجاگر کرتا ہے۔ "میری ہستی کیا ہے، بے نام حقیر تنکا ہوں" ایسے الفاظ عورت کی اپنی شناخت اور مقام کے بارے میں گہرے سوالات کو ظاہر کرتے ہیں۔ موجیں، جو عارضی طور پر اسے سہارا دیتی ہیں، اصل میں بے یقینی اور بے چینی کا سبب ہیں، کیونکہ وہ اسے کبھی پائیدار سہارا فراہم نہیں کرتیں۔ شاعرہ نے اس کیفیت کے ذریعے عورت کے جذباتی اور سماجی تنہائی کے کرب کو نمایاں کیا ہے، جو اکثر اسے اکیلا پن محسوس کرنے پر مجبور کرتا ہے، چاہے وہ ہجوم میں ہی کیوں نہ ہو:

میری ہستی کیا ہے بے نام حقیر تنکا ہوں	میں تالاب میں تنہا ہوں اور تنہائی سے لرزاں ہوں
موج آئے گی ہلکوار سادیگی اور بڑھ جائے گی	ساتھ نہ دے گی، البتہ بے چینی سی دے جائے گی
میں تڑپوں گی، مچلوں گی، لہروں میں گم ہو جاؤں گی	پھر اُبھروں گی، پھر تڑپوں گی، موجوں میں کھو جاؤں ہیں کھو جاؤں گی (10)

نظم میں سماج کے رویوں کی تنقید کی گئی ہے، جو عورت کو ایک چیز سمجھ کر اس کی قدر کو محدود کرتے ہیں۔ "لوگ کنول کا پھول چُرانے جب اتریں گے پانی میں" کے الفاظ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ سماج عورت کی خوبصورتی اور جذبات کا استحصال کرتا ہے۔ عورت کو عارضی طور پر اہمیت دی جاتی ہے، لیکن یہ اہمیت صرف وقتی ہوتی ہے، اور آخر کار اسے دوبارہ تنہا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ نظم میں عورت کی زندگی کو ایک مسلسل کشمکش کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ موجوں کے ساتھ عورت کی کشمکش اس کے وجود کی جنگ کو ظاہر کرتی ہے، جہاں وہ بار بار "اُبھرتی" اور "کھو جاتی" ہے۔ یہ کیفیت عورت کی زندگی کے ان مراحل کی نمائندگی کرتی ہے، جہاں وہ سماج میں اپنی جگہ بنانے کی کوشش کرتی ہے، مگر ہمیشہ اسے دوبارہ حاشیے پر دھکیل دیا جاتا ہے۔

شاعرہ اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ عورت کو اپنی شناخت قائم کرنے میں مشکلات کا سامنا ہے۔ "میری ہستی ہی کیا ہے، میں تو اک ایسا تنکا ہوں" کے الفاظ عورت کے اندر موجود احساسِ کمتری اور شناخت کی جدوجہد کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ عورت کی خود مختاری اور خود کی پہچان کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی ایک کوشش ہے۔ رشیدہ جہاں نے عورت کو ایک حساس، نازک، اور سماج کی ناقدری کا شکار ہستی کے طور پر پیش کیا ہے۔ عورت کے وجود کو تالاب کی موجوں کے رحم و کرم پر رکھا گیا ہے، جو اس کے غیر مستحکم مقام کی نشاندہی کرتا ہے۔ شاعرہ نے جہاں عورت کی خوبصورتی اور حساسیت کو اجاگر کیا، مگر ساتھ ہی یہ بھی دکھایا کہ سماج ان خصوصیات کو ایک ذمہ داری یا قدر کے طور پر نہیں دیکھتا، بلکہ عارضی فائدے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

نظم میں "تنکا"، "کنول"، "موجیں"، اور "تالاب" ایسے استعارے عورت کے وجود، سماجی رویوں، اور جذباتی کیفیت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ سادہ اور جذبات سے بھرپور زبان استعمال کی گئی ہے، جو قاری کو عورت کے کرب کو محسوس کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ نظم کا لہجہ درد انگیز اور پرسوز ہے، جو عورت کی اندرونی اور بیرونی جدوجہد کی عکاسی کرتا ہے۔ نظم "کربِ تنہائی" عورت کے وجود، اس کی سماجی حیثیت، اور جذباتی کیفیت کا ایک گہرا مطالعہ پیش کرتی ہے۔ رشیدہ جہاں نے عورت کے حساس، خوبصورت، اور نازک ہونے کے باوجود اس کی زندگی کی مشکلات اور سماجی ناانصافیوں کو اجاگر کیا ہے۔ یہ نظم عورت کے لیے ایک عمیق فکری تحریک ہے کہ وہ اپنی شناخت اور مقام کو تسلیم کرے اور اپنی زندگی کے کرب کو بہتر بنانے کی جدوجہد جاری رکھے۔

رشیدہ جہاں کی شاعری میں عورت کی تصویر گہری تفصیلات سے بھری ہوئی ہے۔ ان کی نظموں میں عورت نہ صرف سماجی و ثقافتی تناظر میں نظر آتی ہے بلکہ داخلی کشمکش، جذباتی پیچیدگیوں اور نفسیاتی صورتحال کو بھی نمایاں کرتی ہیں۔ نظموں "کربِ تنہائی" اور "لچھمن ریکھا" میں عورت کا اندرونی کرب اور سماجی جبر نمایاں ہیں۔ عورت کو وفا، محبت، عفت، اور شرافت کی صفات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نظم "گھر" میں عورت کی قربانی اور

خدمت کی تصویر دکھائی گئی ہے، جہاں وہ ہمیشہ دوسروں کی خدمت میں مصروف رہتی ہے اور اپنی ذاتی خواہشات کو پس پشت ڈال دیتی ہے۔ رشیدہ جہاں کی نظموں میں عورت کی خود مختاری اور آزادی کے حصول کی جدوجہد بھی نمایاں ہے۔ "مجسمہ آزادی" میں عورت کے عزم اور استقامت کو دکھایا گیا ہے، جو ہر طرح کی مشکلات کے باوجود اپنی شناخت اور آزادی کو برقرار رکھتی ہے۔ نظم "حرفِ اُلفت" میں عورت کے فکری اور ادبی کردار کو اجاگر کیا گیا ہے، جہاں وہ قلم کے ذریعے اپنی آواز بلند کرتی ہے اور معاشرتی حقیقتوں کا تجزیہ کرتی ہے۔ بقول ڈاکٹر حنیف فوق:

> "ان کے کلام کے مجموعوں سے نسائی لہجے کا احساس بھی ہوتا ہے اور یہ لہجہ نہ آتا تو شاید ان کے مجموعات کلام میں کچھ کمی رہ جاتی۔ ان کی ایک خوبصورت نظم "عورت" ہے جس میں عورت کو پھل دار درخت کہا گیا ہے۔ لیکن جب پھل پک جاتے ہیں تو انھیں دوسرے لوگ حاصل کر لیتے ہیں اور درخت ایک ٹھنٹ کی طرح کھڑا رہ جاتا ہے۔ اس نظم میں وہی صراحت ملتی ہے جسے نسائی مظلومیت کہا جاسکتا ہے۔" (11)

المختصر رشیدہ عیاں کی نظموں میں تصورِ عورت ایک جامع اور متوازن تصویر پیش کرتا ہے، جو نہ صرف اس کے جذباتی پہلوؤں کی عکاسی کرتا ہے بلکہ سماج میں اس کے کردار کی اہمیت کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ ان کی شاعری عورت کو مظلومیت سے نکال کر ایک ایسی شخصیت کے طور پر پیش کرتی ہے جو اپنے حقوق، آزادی، اور شناخت کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔ ان کے کلام میں عورت کی طاقت، خود مختاری، اور قربانی کی خوبصورتی کو اجاگر کرتے ہوئے یہ پیغام دیا گیا ہے کہ سماجی انصاف اور آزادی کے لیے جدوجہد ہر فرد، خصوصاً عورت کا بنیادی حق ہے۔ رشیدہ عیاں کا تصورِ عورت نہ صرف ایک ادبی ورثہ ہے بلکہ نسائی شعور کی مضبوط آواز بھی ہے، جو نسلوں تک یاد رکھی جائے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حواشی و حوالہ جات

1. رشیدہ عیاں، ابھی پرواز جاری ہے، کراچی: ویلکم بک پورٹ لمیٹیڈ، 2001ء، ص:65
2. ڈاکٹر فاطمہ حسن، اردو شاعرات اور نسائی شعور، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، 2022ء، ص:129
3. رشیدہ عیاں، ابھی پرواز جاری ہے، ص:49
4. ایضاً، ص:66
5. ایضاً، ص:75
6. ایضاً، ص:82
7. ایضاً، ص:98
8. ایضاً، ص:100
9. ایضاً، ص:124
10. رشیدہ عیاں، حرف حرف آئینہ، ناشر شمیم حیدر، 1985ء، ص:206
11. ڈاکٹر حنیف فوق، رشیدہ عیاں کی خوش کلامی مشمولہ: روشنائی، شمارہ نمبر 32، جنوری تا مارچ 2008ء، ص:61

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havashi-o-Havalajat

1. Rashida Ayan, “Abhi Parwaaz Jari hai”, Karachi, welcome book port limited, 2001, P 65
2. Dr. Fatima hassan, “Urdu Shairaat Aur Nasai Shaoor”, New Dehli, Anjuman taraqqi urdu hind, 2022 , P 129
3. Rashida Ayan, “Abhi Parwaaz Jari Hai”, P 49
4. Eizan, P 66
5. Eizan, P 75
6. Eizan, P 82
7. Eizan, P 98
8. Eizan, P 100
9. Eizan, P 124
10. Rashida Ayan, “Harf Harf Aaina”, Nashir Shamim Haider, 1985, P 206
11. Dr. Hanif Fauq , “Rashida Ayaan ki khush kalami” ؛ Roshnai, shumara number 32, January taa March 2008, P 61